صاحبَین کی کتابوں میں اَحکامی اَحادیث: ایک شماریاتی تجزیہ

حافظ مبشر حسین*

عہد صحابہ ہی سے حدیث کا ایک وسیع ذخیرہ کوفہ (عراق) میں منتقل ہو چکا تھا جس میں تسلسل کے ساتھ اہل علم اضافہ بھی کرتے رہے، جیسا کہ اصحاب ابن مسعود جنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری وغیرہ صحابہ (جو کوفہ میں آباد ہوئے اور ان سے کوفہ بلکہ پورے عراق میں دینی وفقہی روایت کا سلسلہ قائم ہوا) کے علاوہ حجاز کے دیگر اکابر صحابہ سے بھی براہ راست احادیث وآثار کا علم حاصل کیا اور اس طرح امام ابوحنیفہؒ کے عہد میں کوفہ اور اس کے گردونواح میں اس قدر احکامی احادیث جمع ہو چکی تھیں کہ ان سے فقہاءِ عراق پیش آمدہ فقہی مسائل میں بخوبی اور بآسانی استدلال کیا کرتے تھے (۱)، گو کہ انہوں نے حدیث کی اس طرح روایت نہیں کی جس طرح امام مالک اور بعد کے محدثین نے کی ہے۔ لہٰذا بعض حلقوں میں پائی جانے والی یہ رائے کہ "اہل کوفہ اس لیے قیاس ورائے کو زیادہ بروئے کار لائے کہ ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ کم تھا" (۲) قطعی طور پر غلط ہے۔ صاحبین کی کتابوں کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کسی طرح بھی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا (۳)۔ زیر نظر مقالہ میں صاحبین کی کتابوں میں موجود روایات کے شماریاتی مطالعہ وتجزیہ سے اس رائے کی غلطی واضح کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

صاحبین کی تصنیفات تو بہت زیادہ ہیں مگر ان میں سے دستیاب اور مطبوعہ کتابوں ہی کو یہاں مدار بحث بنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے امام ابویوسف اور پھر امام محمد کی تصنیفات کو زیر بحث لایا جائے گا۔

امام ابویوسفؒ کی تصنیفات:

۱۔ الآثار (مسند ابی حنیفہؒ):

امام ابویوسفؒ کی تصنیفات میں سے ایک 'الآثار' ہے اور اسے مسند اَبی حنیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے دوسوستاسٹھ (۲۶۷) صفحات پر مشتمل ہے اور بیروت وغیرہ سے شائع ہو چکی ہے (۴)۔ کتاب الآثار کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ صرف اسے ہی فقہ حنفی کی احکامی احادیث کا مصدر سمجھتے ہیں، حالانکہ حنفی فقہاء نے جن احکامی روایات سے استدلال کیا ہے، وہ الآثار کے علاوہ ان کی دیگر کتب میں بھی موجود ہیں جن کی تفصیل اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

کتاب الآثار میں امام ابویوسفؒ نے ان روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو انہوں نے اپنے شیخ امام ابوحنیفہؒ سے سنی ہیں اور جن سے انہوں نے اپنے فقہی مسائل میں استدلال کیا ہے۔ یہ کل ۱۰۶۷ حدیثیں ہیں جن میں مرفوع

*اسسٹنٹ پروفیسر/سربراہ شعبہ سیرت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان

(یعنی حدیث نبوی)، موقوف (آثار صحابہ)، مقطوع (آثار تابعین) اور متصل ومنقطع (مرسل، معضل) وغیرہ ہر طرح کی روایات شامل ہیں۔

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق اس کتاب میں کل ۱۰۶۷ روایات میں سے ۲۲۱ مرفوع احادیث ہیں اور ۳۳۰ موقوف احادیث (یعنی آثار صحابہ) ہیں۔ اس کے علاوہ باقی تعداد تابعین کے آثار کی ہے۔

کتاب کی ابواب بندی رمندرجات:

کتاب کی ابواب بندی رمندرجات (جو مصنف نے خود نہیں بلکہ بعد میں محقق ابوالوفاء افغانی نے کی ہے)، سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر فقہی واحکامی نوعیت کی روایات ہیں۔ اس ابواب بندی پر ایک نظر ڈالنا مفید ہوگا:

۱۔ باب الوضوء
۲۔ باب الغسل من الجنابة
۳۔ باب المسح علی الخفین
۴۔ باب التیمم
۵۔ باب الاذان
۶۔ باب افتتاح الصلوٰة
۷۔ باب السهو
۸۔ باب صلاة العیدین
۹۔ باب فی الاضحیٰ
۱۰۔ باب صلوٰة الخوف
۱۱۔ باب فی غسل المیت وکفنه
۱۲۔ باب الزکاة
۱۳۔ باب المناسک
۱۴۔ باب لبس المحرم وطیبه
۱۵۔ باب القران وما یجب علیه من الطواف والسعی
۱۶۔ باب التمتع
۱۷۔ باب المحصر
۱۸۔ باب الصید
۱۹۔ باب الطلاق
۲۰۔ باب الخیار
۲۱۔ باب العدة
۲۲۔ باب الایلاء
۲۳۔ باب الظهار
۲۴۔ باب المتعة
۲۵۔ باب اللعان
۲۶۔ باب فی العزل
۲۷۔ باب القضاء
۲۸۔ باب فی الفرائض
۲۹۔ باب فی الوصایا
۳۰۔ باب فی الصیام
۳۱۔ باب فی البیوع والسلف
۳۲۔ باب فی المزارعة
۳۳۔ باب فی المکاتب والمدبر وام الولد

۳۴۔ باب الغزو والجیش
۳۵۔ باب الدیات
۳۶۔ باب الاشربۃ
۳۷۔ باب فی لبس الحریر والذھب
۳۸۔ باب فی الخضاب والاخذ من اللحیۃ
۳۹۔ باب فی الذبائح والجبن (۵)۔

کتاب الخراج:

کتاب الخراج آپ کی باقی کتابوں کی نسبت ضخیم کتاب ہے۔ یہ دراصل خلیفہ ہارون الرشید کے ایماء پر لکھی گئی تھی اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظم الدول بالخصوص مالیاتی نظام اور اس سے متعلقہ بعض ضروری امور کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی خواہش تھی کہ انہیں اس سلسلہ میں بعض ضروری چیزوں کی تفصیلات مہیا کی جائیں، چنانچہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور آپ نے یہ کتاب مرتب فرمائی۔ امام ابو یوسفؒ نے اس کتاب کا آغاز جس عبارت سے کیا ہے، اس سے ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

"هـذا مـا كـتـب بـه أبو يوسف رَحِمَهُ اللهُ اِلى أمير المؤمنين هارون الرشيد، أطال الله بـقـاءِ أميـر المؤمنين وأدام لَهُ العز فِي تمام من النعمة ودوام من الكرامة وجعل ما أنعم بـه عـلـيـه مـوصـولا بـنـعـيـم الآخرة الذى لا ينفذ ولا يزول ومرافقة النبىﷺ ان أمير الـمـؤمـنـيـن أيـده الـلـه تعالى سألنى أن أضع لَهُ كتابا جامعا يعمل به فِي جباية الخراج والعشور والصدقات والجوالى(۶) وغير ذلک(۷) مما يجب عليه النظر فيه والعمل بـه وانـمـا أراد بـذلـک رفـع الـظـلـم عن رعيته والصلاح لأمرهم وفق الله تعالى أمير الـمؤمنين وسدده وأعانه عَلَى ما تولى من ذلک وسلمه مما يخاف ويحذر وطلب أن أبيـن لَـهُ مـا سـألـنـى عـنـه مـمـا يـريـد الـعمل به وأفسره وأشرحه وقد فسرت ذلک وشرحته"(۸)

"یہ وہ دستاویز ہے جو ابو یوسف نے امیر المؤمنین ہارون الرشید کو ارسال فرمائی تھی۔ اللہ امیر المؤمنین کی عمر دراز کرے اور ان کو ہمیشہ ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ، شان وشوکت سے سرفراز کیے رہے۔ خدا کرے کہ آج ان پر جو انعامات ہو رہے ہیں، ان کے بعد انہیں آخرت کی لازوال اور غیر فانی نعمت بھی عطا ہو اور نبی کریمﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ امیر المؤمنین نے، اللہ ان کی مدد فرمائے، مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے جس کو وہ خراج، عشور، صدقات اور جوالی کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں اور جو ان کے دوسرے امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے۔ جن پر غور وفکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے امیر المؤمنین کا منشاء یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے

معاملات درست فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنی ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کو راہ راست پر رکھے اور ان کی دست گیری فرمائے اور خوف وخطرہ کی باتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا جن امور پر وہ عمل درآمد کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کی تفصیلات سے آگاہ کردوں۔ چنانچہ میں نے ان امور کو کافی تفصیل کے ساتھ واضح کردیا ہے۔''

اہل علم کے نزدیک کتاب الخراج کی اہمیت:

اہل علم نے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کو بڑی اہمیت دی ہے مثلاً معروف محقق ابو زہرہ کتاب الخراج کا تعارف کراتے ہوئے اس کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں: ''یہ کتاب قاضی ابو یوسف کا ایک خط ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں انہوں نے حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدن کی تفصیلات پر بڑی دقیق اور عمدہ بحث کی ہے۔ آپ نے اس میں قرآن مجید، احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ پر اعتماد کیا ہے''۔(۹)

نیز لکھتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین اور نہایت قیمتی فقہی سرمایہ ہے اور جس دور میں یہ لکھی گئی اس میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ملتی''۔(۱۰)

کتاب الخراج کے مندرجات:

یہ کتاب دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی جب کہ اس وقت کوئی اور قابل ذکر تصنیف اس سلسلہ میں موجود نہیں تھی اور نہ ہی یہ فن ابھی اپنی ارتقائی شکل کو پہنچا تھا، اس لیے اس کا اسلوب وہ نہیں جو کسی بھی فن میں لکھی جانے والی کسی جامع و مربوط کتاب کا ہوتا ہے(۱۱)، اور نہ ہی یہ قانون پر مشتمل کوئی دستاویز ہے، البتہ اس کے باوجود یہ کتاب ان دونوں پہلوؤں سے بہت حد تک تعلق رکھتی ہے۔ فنی اعتبار سے یہ فقہ المالیات اور نظم الدول کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بڑا حصہ فقہ المالیات بالخصوص مالیۃ الدولۃ پر مشتمل ہے جو کہ نظم الدول ہی کا ایک شعبہ ہے۔ نیز نظم الدول سے متعلقہ دیگر مباحث بھی پوری کتاب میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ اور قانونی اعتبار سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں حاکمِ وقت کو مالیاتی نظم سے متعلقہ ایسی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں جن کی روشنی میں حکومت کے لیے قانون سازی ممکن ہے۔

کتاب الخراج کے اہم مندرجات درج ذیل ہیں:

۱۔ خلیفہ کو نصیحتیں

۲۔ خلیفہ کی رہنمائی کے لیے منتخب اَحادیث

۳۔ مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ

۴۔ عراق وشام کی فتوحات، خراج کی وصولی اور حضرت عمرؓ کا نظامِ کار

۵۔ خراج کی شرحوں اور مقداروں میں تبدیلی کا مسئلہ
۶۔ عراقی جاگیروں کے مسائل
۷۔ عراقی وشامی جاگیروں کے محاصل اور ان کی مقداریں
۸۔ عراق وشام کے علاوہ زمینوں کی نوعیت
۹۔ غیر آباد (مردہ) زمینوں کی آبادکاری کا مسئلہ
۱۰۔ اسلام قبول کرنے والوں کے مال وجان کا مسئلہ
۱۱۔ باغیوں کے جان ومال کا مسئلہ
۱۲۔ زکاۃ سے متعلقہ احکام
۱۳۔ کنوؤں، نہروں، دریاؤں اور آبپاشی سے متعلقہ بعض مسائل
۱۴۔ عمال خراج کے لیے ہدایات
۱۵۔ ذمیوں سے متعلقہ مسائل [جزیہ، تجارتی ٹیکس، مذہبی آزادی کی حدود، وغیرہ]
۱۶۔ باغیوں، چوروں اور قصاص وحدود سے متعلقہ مسائل
۱۷۔ مرتد ہونے والوں سے متعلقہ احکام
۱۸۔ قاضیوں، عاملوں اور گورنروں کے وظائف سے متعلقہ مسائل
۱۹۔ سرحدوں کی حفاظت اور جاسوسوں سے متعلقہ مسائل
۲۰۔ مشرکوں اور باغیوں سے جنگ اور متعلقہ مسائل (۱۲)۔

یہ وہ مندرجات ہیں جنہیں امام ابو یوسفؒ نے خصوصیت کے ساتھ موضوع بحث بنایا ہے، تاہم ضمنی طور پر کتاب الخراج میں کئی اور اہم موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں مثلاً:

۱۔ اس کتاب میں پہلی دو صدیوں کی جنگی وسیاسی تاریخ سے متعلقہ بہت سی معلومات ملتی ہیں (۱۳)۔

۲۔ ابتدائی دو صدیوں میں فقہاء اسلام فقہی مباحث میں قرآن، حدیث، آثار، قیاس وغیرہ سے کس طرح استدلال کرتے تھے، اس بارے میں بھی اس کتاب میں کافی معلومات ملتی ہیں (۱۴)۔

۳۔ اسی طرح فقہی اختلافات میں مستحسن طرز عمل کا نمونہ بھی ملتا ہے (۱۵)۔

۴۔ امام ابو یوسفؒ جن مسائل میں فقہی توسع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، وہاں وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں (۱۶)۔

۵۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں امام ابو یوسفؒ اپنے استاد ابو حنیفہؒ سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں۔ کہیں وہ

ان کی رائے کو ان دلائل کی بنیاد پر، اور کہیں دیگر فقہاء کے استدلال کی بنیاد پر چھوڑ دیتے ہیں، اور اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں وہ اپنے استاد کی رائے کو دوسروں کی آراء پر ترجیح دیتے ہیں۔ (۱۷)

کتاب الخراج میں احادیث وآثار اور ان سے استدلال:

کتاب الخراج اگرچہ فنی طور پر حدیث کی کتاب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں اَحادیث وآثار بڑی کثرت کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں اور ان سے بے شمار مسائل پر استدلال واستشہاد کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق کتاب الخراج میں مرفوع روایات کی تعداد دو سو تیئیس (۲۲۳) ہے اور آثار صحابہ یعنی موقوف روایات کی تعداد دو سو ننانوے (۲۹۹) ہے۔ علاوہ ازیں تابعین سے مروی آثار واقوال اس کے علاوہ ہیں اور محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد دو سو (۲۰۰) سے زائد ہے (۱۸)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ان روایات کا بیشتر حصہ مالی معاملات سے متعلق ہے جو کہ کتاب کا اصل موضوع ہے۔

۳۔ الردّ علی سیر الاوزاعی:

امام ابو یوسفؒ کی یہ کتاب بھی مطبوعہ ہے۔ سن ۱۳۵۷ ہجری میں یہ کتاب پہلی مرتبہ درمیانی ضخامت کے کم و بیش ۱۴۰ صفحات پر مشتمل، لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ (ہند) کی طرف سے شائع ہوئی۔ پاکستان سے اس کی طباعت ۱۴۲۱ ہجری میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ (کراچی) سے ہوئی۔ محقق کو کتاب کا مخطوط دستیاب نہیں ہوا بلکہ انہوں نے امام شافعی کی الام کی مدد سے اسے مدون کر کے شائع کیا ہے۔

سببِ تصنیف:

امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ کو مختلف علوم املاء کرایا کرتے تھے۔ آپ نے "سیر" (۱۹) پر بھی اپنے تلامذہ کو ایک کتاب املاء کرائی تھی۔ ان میں سے کسی شاگرد غالباً امام محمدؒ، کا لکھا ہوا نسخہ امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ) جو اپنے وقت میں دیار شام کے سب سے بڑے فقیہ تھے (۲۰)، تک پہنچا تو انہوں نے کہا: "اہل عراق کو اس فن میں کیا درک! انہیں تو سیر کا علم ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے غزوات عراق میں نہیں بلکہ شام اور حجاز میں پیش آئے تھے"۔ پھر امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی سیر کے رد میں کتاب لکھی اور اس کے جواب میں مذکورہ بالا کتاب لکھی گئی (۲۱)۔

کتاب کے مندرجات:

اس کتاب کے ضمنی مباحث سیر ہی کے موضوع کے گرد گھومتے ہیں، تاہم وضاحت کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

اس میں سیر کے درج ذیل ضمنی موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے:

۱۔ مال غنیمت اور حصص کا بیان
۲۔ گھوڑوں کے حصوں کا بیان
۳۔ قیدی عورتوں سے متعلقہ مسائل کا بیان
۴۔ غلاموں سے متعلقہ مسائل کا بیان
۵۔ میدان جنگ میں کفار کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے متعلقہ مسائل کا بیان
۶۔ دارالحرب میں خرید وفروخت سے متعلقہ مسائل کا بیان
۷۔ دارالحرب میں حدود سے متعلقہ مسائل کا بیان
۸۔ دارالحرب میں دشمن کے املاک کی تباہی سے متعلقہ مسائل کا بیان
۹۔ خراج اور جزیہ سے متعلقہ مسائل کا بیان
۱۰۔ مرتد سے متعلقہ مسائل کا بیان

کتاب کا اسلوب بیان:

اس کتاب کا اسلوب یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ سیر سے متعلقہ کسی مسئلہ کے بارے میں پہلے امام ابوحنیفہؒ کا موقف بیان کرتے ہیں مگر دلائل کی تفصیلات پیش نہیں کرتے، پھر امام اوزاعی کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں اور ان کے دلائل بھی بیان کر دیتے ہیں اور پھر امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے دلائل بیان کرتے ہیں اور امام اوزاعی کے پیش کردہ دلائل کا عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل سے رد کرتے ہیں۔ پوری کتاب کا عمومی اسلوب یہی ہے، مگر بعض جگہ اس اسلوب میں فرق بھی پایا جاتا ہے، مثلاً:

۱۔ آپ نے اکثر و بیشتر امام ابوحنیفہؒ ہی کے موقف کو ترجیح دی ہے مگر بعض جگہ امام اوزاعی کے موقف کو امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر ترجیح دی ہے (۲۲)۔
۲۔ بعض جگہ آپ نے اوزاعی کے دلائل تو پیش کیے ہیں مگر ان پر نقد سے سکوت کیا ہے (۲۳)۔
۳۔ بعض جگہ آپ نے مسئلہ تو ذکر کیا ہے مگر اس میں امام اوزاعی کے اختلاف کو پیش نہیں کیا (۲۴)۔
۴۔ بعض جگہ آپ نے دونوں اماموں کے نقطہ ہائے نظر کو پیش کر دیا ہے مگر ان دونوں کے درمیان کوئی نقد و محاکمہ نہیں کیا (۲۵)۔

نقد و محاکمہ میں سخت لہجہ:

اگر چہ یہ کتاب امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے درمیان کچھ فقہی مسائل کے مقارنہ کو پیش کرتی ہے اور ادب و احترام کی حدود کا پاس ولحاظ بھی اس میں کیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض جگہ امام ابو یوسفؒ امام اوزاعی پر نقد کرتے ہوئے سخت لہجہ بھی اختیار کر گئے ہیں، مثلاً ایک جگہ آپ امام اوزاعی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام اوزاعی کا یہ قول کہ "ائمہ مسلمین کے ہاں اس مسئلہ میں یہی موقف چلا آرہا ہے" ایسے ہی ہے جیسے اہل حجاز سے بیان کیا جاتا ہے [کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس پر ایسے ہی عمل چلا آرہا ہے]، یا پھر اوزاعی نے یہ بات شام کے ان 'مشائخ' سے اخذ کی ہوگی جنہیں وضو اور تشہد بھی اچھی طرح سے نہیں آتا اور نہ ہی وہ اصول فقہ کو سمجھتے ہیں!'' (۲۶)۔

کتاب ''الرد علی سیر الاوزاعی'' میں احادیث وآثار:

اس کتاب میں امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین کچھ اختلافی مسائل میں نقد ومحاکمہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں دونوں طرف سے پیش کی جانے والی دلیلوں جن میں زیادہ تعداد احادیث وآثار کی ہے، پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں احادیث کو باقاعدہ روایت کرنے کی بجائے زیادہ تر ان کا کوئی معروف جملہ یا مطلوب حصہ بیان کرکے پوری روایت کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس میں موجود فقہی مباحث پر نقد ونظر شروع ہو جاتا ہے۔ تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق دوسو کے قریب احکامی روایات (بشمول مرفوع وموقوف) اس کتاب میں موجود ہیں جو موضوع کتاب کی مناسبت سے زیادہ تر مغازی وسیر ہی کی قبیل سے ہیں۔

علاوہ ازیں اس کتاب میں حدیث وسنت سے استدلال کے سلسلہ میں کچھ اصولی مباحث بھی ہیں جن کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ اختلاف ابی حنیفة وابن ابی لیلیٰ:

ابن ابی لیلیٰ دراصل کوفہ کی ایک بہت بڑی علمی شخصیت تھی۔ آپ کا نام ونسب یہ ہے: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ آپ سن ۷۴ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۴۸ ہجری میں کوفہ میں فوت ہوئے۔ آپ مسلسل ۳۳ سال پہلے بنوامیہ کی طرف سے، پھر بنوعباسیہ کی طرف سے، کوفہ کے قاضی رہے۔ آپ کا شمار بھی 'اہل الرأی' میں ہوتا ہے (۲۷)۔ امام ابو یوسفؒ پہلے ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس حصول علم کے لیے جایا کرتے تھے، نو سال تک یہ سلسلہ تعلیم جاری رہا۔ پھر آپ ابن ابی لیلیٰ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کی مجلس علم میں شامل ہو گئے (۲۸)۔ آپ نے اپنے شیخ ابن ابی لیلیٰ کی مجلس کو کیوں چھوڑا؟ اس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ابو یوسفؒ اپنے شیخ ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ ایک شخص کی شادی میں شریک تھے۔ جب شیرینی تقسیم ہوئی تو ابو یوسفؒ نے بھی اسے حاصل کیا مگر ان کے شیخ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا: کیا تم جانتے نہیں کہ یہ حلال نہیں ہے۔ پھر ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے اور ان سے اسی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ ہمیں اس سلسلہ میں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک انصاری صحابی کی شادی کے موقع پر کھجوریں تقسیم کی گئیں تو آپؐ نے انہیں تناول فرمایا اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی اجازت دی کہ وہ انہیں حاصل کرلیں۔ اسی طرح ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج کے موقع پر سو اونٹ قربان کیے اور اور ہر اونٹ سے ایک گوشت کا ٹکڑا لیا اور پھر فرمایا کہ جو ان اونٹوں کا گوشت کاٹنا چاہے وہ کاٹ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اور اس جیسی نوعیت کے چیزیں ہبہ کی قبیل سے ہیں جو شرعاً مستحسن ہیں۔ یہ سن کر ابو یوسفؒ پر دونوں اماموں کی فقہی بصیرت کا فرق واضح ہوا تو وہ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں چلے آئے (۲۹)۔

۲۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام زفر جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، سے مناظرے کیا کرتے تھے اور ان مناظروں میں ابو یوسفؒ کے لیے وہ فرق واضح ہوا جو ابن ابی لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ کے مابین پایا جاتا تھا، تو انہوں نے ابوحنیفہؒ کی مجلس کو اختیار کرلیا (۳۰)۔

پھر اس کے بعد انہیں یہ بات اچھی لگی کہ وہ ان مسائل کو مرتب کریں جن میں ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے مابین اختلاف رائے ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ امام محمدؒ نے ان سے یہ مسائل اخذ کیے اور انہیں ابو یوسفؒ کی سند سے روایت کیا، البتہ انہوں نے اس میں بعض ان مسائل کا اضافہ بھی کر دیا جو انہوں نے ابو یوسفؒ کے علاوہ کسی اور سے سنے تھے۔ اصل تصنیف تو ابو یوسفؒ کی ہے، لیکن تالیف کے اعتبار سے اس کی نسبت امام محمد شیبانی کی طرف کی جاتی ہے (۳۱)۔

کتاب کے مندرجات:

زیر بحث کتاب کے مندرجات اس کی فہرست کی ترتیب کے مطابق درج ذیل ہیں:

۱۔	غصب کا بیان	۲۔	عیب میں اختلاف کا بیان
۳۔	کچے میوے کی بیع کا بیان	۴۔	بیع مضاربہ کا بیان
۵۔	بیع سلم کا بیان	۶۔	مزارعت کا بیان
۷۔	دعویٰ اور صلح کا بیان	۸۔	صدقہ اور ہبہ کا بیان

۹۔ ودیعت کا بیان ۱۰۔ گرو (رہن) کا بیان

۱۱۔ قرض میں حوالہ اور کفالہ کا بیان ۱۲۔ قرض (کے بعض دیگر مسائل) کا بیان

۱۳۔ قسموں کا بیان ۱۴۔ وصیت کا بیان

۱۵۔ وراثت کا بیان ۱۶۔ وصی حضرات کا بیان

۱۷۔ شراکت، عتق (آزادی) وغیرہ کا بیان

۱۸۔ مکاتب کا بیان

۱۹۔ قسموں (سے متعلق کچھ اضافی مسائل) کا بیان

۲۰۔ ادھار اور اناج کا بیان ۲۱۔ مزدور اور اجرت کا بیان

۲۲۔ تقسیم ۲۳۔ نماز کا بیان

۲۴۔ خوف کی نماز کا بیان ۲۵۔ زکاۃ کا بیان

۲۶۔ روزوں کا بیان ۲۷۔ حج کا بیان

۲۸۔ دیت کا بیان ۲۹۔ چوری کا بیان

۳۰۔ قضاء کا بیان ۳۱۔ تہمت کا بیان

۳۲۔ نکاح کا بیان ۳۳۔ طلاق کا بیان

۳۴۔ حدود کا بیان (۳۲)۔

کتاب کا اسلوب بیان:

اس کتاب کا اسلوب یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اختلافی فقہی مسائل میں سے کسی مسئلہ کے بارے میں پہلے امام ابوحنیفہؒ کا موقف بیان کرتے ہیں، پھر ساتھ ہی اپنی رائے بھی بتا دیتے ہیں جو بالعموم یہ ہوتی ہے کہ میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں، پھر آپ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے دلائل بھی بیان کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آپ ابن ابی لیلیٰ کے موقف کی علمی کمزوری واضح کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے دلائل اور طرز استدلال بیان کرتے ہیں۔ پوری کتاب کا عمومی اسلوب یہی ہے، مگر بعض جگہ اس اسلوب میں فرق بھی پایا جاتا ہے، مثلاً:

۱۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنے دونوں اساتذہ (یعنی ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ) کے اختلافی مسائل کا محاکمہ کرتے ہوئے زیادہ تر فقہی مسائل میں ابن ابی لیلیٰؒ کے موقف کو کمزور ثابت کیا ہے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی کتاب میں تقریباً ۵۰ سے زائد مسائل میں آپ نے ابن ابی لیلیٰ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اگر اس کا کتاب میں شامل کل

مسائل سے تناسب بیان کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ کم وبیش ایک چوتھائی فقہی مسائل میں آپ نے ابن ابی لیلیٰؒ کے موقف کوابوحنیفہ کے موقف پر ترجیح دی ہے(۳۳)۔جن مسائل میں آپ نے ابن ابی لیلیٰ کے موقف کوترجیح دی ہےان میں سے پانچ مسئلے ایسے ہیں جن میں آپ نے بعد میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کی طرف رجوع کرلیا تھا(۳۴)۔

۲۔ ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو جہاں بھی ترجیح دی ہے،ساتھ اس کے دلائل بھی پیش کیے ہیں مگر بعض مسائل میں ابوحنیفہؒ کوترجیح تو دی ہے مگران کے متدل (دلیل) کوذکر نہیں کیااور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی دلیل پیش کی ہے۔(۳۵)

۳۔ بعض مسائل میں آپ نے کسی کوترجیح نہیں دی بلکہ سکوت اختیار کیا ہے۔(۳۶)

۴۔ اس کتاب میں زیادہ تر وہی مسائل بیان ہوئے ہیں جن میں دونوں اماموں کااختلاف ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے بھی واضح ہے،مگر ابو یوسفؒ نے ساتھ ساتھ کچھ ایسے مسائل کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو دونوں ائمہ کے درمیان متفق ہیں۔(۳۷)

زیرنظر کتاب میں احادیث وآثار:

اس کتاب میں راقم کے شمار کے مطابق ایک کم ایک سوروایات ہیں جن میں سے بائیس ۲۲مرفوع اور ۷۷موقوف ہیں۔

امام محمد کی تصنیفات میں ذخیرہ حدیث:

اب ذیل میں امام محمد کی مطبوعہ ودستیاب کتب میں موجوداحادیث کاایک جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔کتاب الاصل (المبسوط):

امام محمدؒ کی یہ تالیف فقہ حنفی کی اَساس ہے،اسی لیے اسے 'الاصل' (اَساس) کہا جاتا ہے، ورنہ اس کتاب کی جامعیت کی وجہ سے اسے "المبسوط" بھی کہا جاتا ہے،مگرافسوس کہ اس کتاب کاایک بڑا حصہ ماضی قریب تک لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا۔اب حال ہی میں اس کامکمل نسخہ ڈاکٹر محمد بوینوکالن کی تحقیق کے ساتھ قطر کی وزارت اوقاف نے شائع کیا ہے۔ان سے پہلے اس کتاب کاایک بڑا حصہ یعنی کتاب الطہارۃ سے کتاب البیوع تک،لجنۃ الاحیاء المعارف العثمانیۃ (حیدر آباددکن) سے مولانا ابوالوفا افغانی صاحب کی تحقیق سے شائع ہوا،جواَوسط درجہ کی پانچ جلدوں اور کم وبیش دو ہزار پانچ سو (۲۵۰۰)صفحات پرمحیط ہے(۳۸)۔

یہ کتاب (یعنی الاصل) امام محمدؒ کی جامع ترین فقہی کتاب ہے جس میں انہوں نے فقہ کے ہرموضوع سے متعلقہ سیکڑوں سوالات کے قرآن وسنت اوراجتہادوقیاس کی روشنی میں جواب دیئے ہیں۔یہ کتاب ایک خاص فقہی اسلوب میں لکھی گئی ہےاوروہ اسلوب یہ ہے کہ امام محمدؒ کے شاگردابوسلیمان الجوزجانیؒ آپ سے فقہی سوالات کرتے ہیں،اورآپ ان کے جواب دیتے ہیں۔سوال وجواب کایہ سلسلہ تقریباً(۳۹) تمام فقہی اَبواب پرمحیط ہےاور ہرباب کی ذیل میں سائل نے اتنے سوال کیے ہیں جتنے اس دور کے تناظر میں اس کے لیےممکن تھےاورامام محمدؒ نے اپنی علمی استعداد کے مطابق ان سب کے

جواب دیئے ہیں۔اس کتاب میں معروضی وتقدیری ہرنوع کے بیسیوں سوالات امام محمدؒ کے شاگرد الجوز جانی آپؒ کے سامنے اٹھاتے گئے اور آپ ان کے جواب دیتے گئے اور ظاہر ہے اس طرح یہ فقہی کتاب معرضِ وجود میں آئی۔سوال وجواب میں امام محمدؒ کا اسلوب ایک عالم کی طرح جواب دینے کی حد تک محدود ہے یعنی آپ سائل کے جواب میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ اور بعض اوقات ہاں یا نہ میں جواب دے دیتے ہیں مگر اپنے استدلال کا مأخذ ومصدر(یعنی نصوص یا مأخذِ اجتہاد وغیرہ) بالعموم ذکر نہیں کرتے اور نہ ہی سائل اس پر اصرار کرتا ہے،البتہ بعض اوقات آپ اپنے مأخذ کی از خود نشاندہی بھی کر دیتے ہیں اور بعض اوقات خود سائل اپنی وضاحت کے لیے مأخذ کا سوال کر لیتا ہے، بالخصوص جب اسے کوئی شبہ واعتراض لاحق ہوتا ہے،تو اس کی تشفی وتوضیح کے لیے آپ مزید وضاحت کر دیتے ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائل کوئی عامی نہیں بلکہ خود بھی صاحب علم ہے،تاہم سائل کا مقصود یہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنے استاد امام محمدؒ سے تمام فقہی مسائل پر حنفی نقطۂ نظر سے رائے لینا چاہتا ہے تاکہ دلائل کی تفصیلات میں جائے بغیر فقہ حنفی کو مرتب کر لیا جائے اور شاید ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس طرح فقہ حنفی کے مسائل کو اختصار وجامعیت کے ساتھ عامیوں کے لیے پیش کرنا مطلوب تھا اور اس مقصد کے لیے امام محمدؒ اور جوز جانیؒ دونوں پہلے سے متفق دکھائی دیتے ہیں۔

کتاب الاصل (المبسوط) میں احادیث وآثار:

زیرِ نظر کتاب میں محتاط اندازے کے مطابق کم وبیش ایک ہزار سے زائد احکامی احادیث وآثار (۴۰) موجود ہیں جس کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلی جلد میں مرفوع احادیث ۲۴ اور آثار ۲۶ ہیں۔دوسری جلد میں مرفوع احادیث ۴۳،اور آثار ۳۸ ہیں۔تیسری جلد میں مرفوع احادیث ۲۰،اور آثار ۲۴ ہیں۔چوتھی جلد میں مرفوع احادیث ۲۰ ہیں اور آثار ۷۷ ہیں۔اس طرح گویا پہلی چار جلدوں (کتاب الطہارۃ سے کتاب البیوع) میں ۱۰۷ مرفوع اور ۱۶۵ آثار موجود ہیں۔(۴۱)

۲۔کتاب الآثار اور اس میں موجود احادیث وآثار:

جس طرح امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہؒ سے مروی روایات کو مرتب کیا اسی طرح یہ کام چند دیگر اہل علم کے علاوہ امام محمد نے بھی کیا ہے۔امام محمد کا یہ کام بھی الآثار کے نام سے معروف ہے اور اس میں بھی زیادہ تر وہی روایات ہیں جو امام ابو یوسف کی آثار میں ہیں۔اور ان دونوں کی روایات کی کل تعداد بھی قریب قریب ہے یعنی امام ابو یوسف کی آثار میں ۱۰۶۷ روایات ہیں جبکہ امام محمد کی آثار میں مرفوع،موقوف اور مقطوع سب ملا کر کل ۹۱۶ روایات موجود ہیں (۴۲)۔اور ان دونوں کتب ''الآثار'' میں احادیث وآثار کا بڑا حصہ امام ابوحنیفہؒ کی سند سے روایت کیا گیا ہے۔

۳۔کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ:

یہ امام محمد کی معرکۃ الآراء کتاب ہے۔اس میں آپ نے اپنے اور اہل مدینہ کے فقہی مسائل میں اختلافات اور ان کے متعلقہ دلائل پر بڑی تفصیل سے بات کی ہے۔اس میں آپ نے اپنے شیخ ابوحنیفہ اور ان کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی

احکامی احادیث کا ایک بڑا حصہ روایت کیا ہے۔افسوس کہ یہ کتاب مکمل دستیاب نہ ہوسکی بلکہ غالباً نصف سے کچھ کم حصہ محققین کو دستیاب ہوسکا جو پانچ بڑے سائز کی جلدوں میں سید مہدی حسن کیلانی کی تحقیق وحواشی کے ساتھ زینت طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔(۴۳)

کتاب الحجۃ میں احادیث وآثار:

اس مطبوعہ نسخہ کی ہر جلد اوسطاً ۶۰۰ صفحات پر محیط ہے اور ہر تین صفحات پر اوسطاً دو حدیثیں موجود ہیں اور یوں اس نسخہ کے ناقص ہونے کے باوجود کم وبیش ایک سے دو ہزار مرفوع وموقوف احادیث کا ذخیرہ اس میں موجود ہے، تاہم اس ذخیرہ میں عراقیوں کی متدل احادیث کے پہلو بہ پہلو حجازیوں کی متدل احادیث بھی موجود ہیں۔(۴۴)

۴۔الجامع الکبیر

یہ کتاب صرف فقہی مسائل بتاتی ہے اور دلائل سے تعرض نہیں کرتی، اس لیے اس میں آیات اور احادیث موجود نہیں ہیں۔تاہم فقہی مسائل بیان کرتے ہوئے امام ابو یوسف اور امام محمد کے پیش نظر دلائل ضرور ہوتے تھے۔بطور ثبوت اس کتاب کے مسائل کا امام محمد کی کتاب الآثار، اور الاصل وغیرہ سے تقابل کیا جاسکتا ہے۔ورنہ امام سرخسی کی المبسوط اور دیگر کتبِ فقہ حنفی بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

۵۔الجامع الصغیر:

الجامع الکبیر کی طرح اس میں بھی دلائل ذکر کیے بغیر محض فقہی مسائل سے تعرض کیا گیا ہے۔یہ الجامع الکبیر کی نسبت چھوٹی کتاب ہے اور اس میں ۱۵۳۲ مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔(۴۵)

۶۔زیادات:

اس میں وہ فقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں جو الجامع الکبیر (اور مصنف کی دیگر تالیفات) میں بیان ہونے سے رہ گئے تھے۔اس میں الجامع الکبیر کے طریقہ کار کی پیروی کی گئی ہے اور یہ بھی الجامع الکبیر کی طرح دلائل کے ذکر سے خالی ہے۔

۷۔زیادۃ الزیادات:

اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو زیادات میں بھی نہ آسکے تھے جیسا کہ اس کے نام ہی سے واضح ہے اور اس میں بھی دلائل کا کوئی ذکر نہیں۔

۸۔السیر الصغیر:

اس کتاب میں کل ۴۰ روایات ہیں۔ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کے تحقیق وترجمہ شدہ نسخے (۴۶) کے مطابق پہلے باب، جس کا عنوان مذکور نہیں، میں صرف ۳۰ احادیث ہیں۔پہلی حدیث امام ابوحنیفہ سے سنداً نقل کی گئی ہے جبکہ بقیہ احادیث میں سند نہیں۔شاید کتاب کی دیگر احادیث کی بھی وہی سند ہو جو پہلی حدیث کی ہے۔آگے چند موقوف روایات ہیں۔ اور اس طرح یہ کل ۴۰ روایات ہیں۔

۹۔السیر الکبیر:

اس کا اصل متن مقالہ نگار کو دستیاب نہیں ہوسکا، البتہ امام سرخسی کی "شرح السیر الکبیر" کے ساتھ یہ تین جلدوں

میں مطبوع موجود ہے۔اس کتاب میں بھی احادیث کا ایک گراں قدر ذخیرہ موجود ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی پہلی جلد کے پہلے نصف یعنی ۱۸۴صفحات تک ۱۸۲، احادیث موجود ہیں۔

۱۰۔الاکتساب فی الرزق المستطاب:

محققین نے امام محمد کی تالیفات میں مذکورہ بالا کتاب کا شمار بھی کیا ہے۔اسے امام سرخسی نے اپنی المبسوط میں شامل کیا ہے اوراس کی شرح بھی کی ہے۔اس میں بھی اپنے موضوع سے متعلقہ چند ایک احادیث وآثار موجود ہیں۔

۱۱۔مؤطا محمد:

امام محمد کوامام مالک کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے۔چنانچہ آپ نے امام مالک کی مؤطا کوخود بھی روایت کیا ہے اوراپنے روایت کردہ نسخہ میں آپ نے جابجا امام مالک سے فقہی اختلافات بھی کیے ہیں اوراس دوران بعض مواقع پر آپ نے اپنی اوراپنے شیخ کی آراء کا اضافہ بھی کیا ہے، نیز بعض جگہ اپنے مکتب فکر کی تائید میں کئی احادیث وآثار، جوامام مالک کی مؤطا میں نہیں، کا اضافہ بھی کیا ہے۔(۴۷)

اس کتاب سے کم ازکم یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ حجازیوں کا ذخیرہ حدیث جومؤطأ امامِ مالک(۴۸) کی شکل میں تھا، دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں عراقیوں کی دسترس میں آچکا تھا جبکہ اس کے برعکس حجازیوں کے پاس عراقیوں کا مکمل ذخیرہ حدیث نہیں تھا(۴۹)۔اس سے یہ دعویٰ خلاف حقیقت یا مبالغہ پر مبنی نہیں رہ جاتا کہ فقہ حنفی کے مدون امام محمد کے دور میں عراقیوں کے پاس حجازیوں سے زیادہ ذخیرہ حدیث موجود تھا اورانہوں نے اس ذخیرہ میں سے صرف انہیں احادیث کو مدار فقہ بنایا جوان کے صحت واستناد کے قائم کردہ معیار راصولوں کے مطابق صحیح قرار پائی تھیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ذیل میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے اہل علم کے پاس احکامی احادیث کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور وہ فقہی مسائل میں حدیث سے استدلال کرتے تھے، گو کہ رائے یا افتاء کے موقع پر اپنے مستدل کو ذکر نہیں کرتے تھے مگر سائل کی وضاحت طلبی پر وہ مستدل بھی بتا دیتے تھے:

''عبدالصمد بن عبدالوارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کی کتاب میں یہ تحریر پائی کہ وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ آیا اور وہاں ابوحنیفہؒ، ابن شبرمہؒ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ بھی آئے ہوئے تھے۔ میں ابوحنیفہؒ کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ پوچھا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر کوئی آدمی بیع کرے اور ساتھ کوئی شرط بھی مقرر کر لے؟ تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بیع اور شرط دونوں ہی باطل ہیں۔ پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا تو انہوں نے اس مسئلہ میں فرمایا کہ شرط تو باطل ہے مگر بیع جائز ہے۔ پھر میں ابن شبرمہؒ کے پاس گیا تو انہوں نے اس مسئلہ میں کہا کہ بیع اور شرط دونوں جائز ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! تینوں کوفہ کے فقہاء ہیں اور ایک ہی مسئلہ میں تینوں کا جواب مختلف ہے۔ چنانچہ میں پھر ابوحنیفہؒ کے پاس گیا اور ابن شبرمہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ دونوں نے میرے سوال کا جو جواب دیا تھا، اس کے بارے میں انہیں بتایا تو وہ کہنے لگے کہ میں ان کی رائے سے آگاہ نہیں ہوں، جہاں تک میری رائے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مجھے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے بیع اور شرط سے منع کیا ہے"۔ یہ سن کر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا اور ابوحنیفہؒ اور ابن شبرمہؒ کی رائے کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کہا، مجھے ان کے بارے میں علم نہیں ہے، جہاں تک میری رائے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مجھے ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی، انہیں ان کے والد نے، اور انہیں حضرت عائشہؓ نے کہ نبی کریم ﷺ نے ان (عائشہؓ) سے فرمایا": بریرہ کو خرید لو اور اس کے (پہلے) مالکوں سے ولاء کی شرط کر لو، پس ولاء تو اس کے لیے ہے جس نے (غلام کو) آزاد کیا"۔ چنانچہ اس حدیث میں بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ شرط کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ یہ سن کر میں ابن شبرمہؒ کے پاس گیا اور باقی دونوں فقیہوں کے جواب سے انہیں آگاہ کیا تو انہوں نے کہا، مجھے ان کے بارے میں علم نہیں، مجھے تو مسعود بن حکیم نے محارب بن دثار سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ایک اونٹنی خریدی، جبکہ میں نے اس پر (مدینہ جانے تک) سواری کی شرط لگالی، تو آپ نے بیع اور شرط دونوں کو جائز قرار دیا۔ (شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی، الموافقات، دار ابن عفان، ط اول ۱۹۹۷، ۲۳۱/۵؛ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار الفکر بیروت، ط اول ۲۰۰۰ء، ۱۳/۱۳)

۲۔ جیسا کہ ابن خلدون نے مقدمہ میں، شاہ ولی اللہ نے الحجۃ میں، علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں اور بعض دیگر اہل علم نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے۔

۳۔ تاہم اس کی ایک صورت درست مانی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ حدیث کا بڑا ذخیرہ اہل کوفہ کی نگاہ میں تھا، مگر انہوں نے اس میں سے صرف اسی قدر احادیث سے استدلال کیا جو روایات کی صحت واستناد کے بارے میں ان کے قائم کردہ اصولوں پر پورا اترتی تھیں اور جو احادیث ان کے معیار صحت پر پورا نہیں اترتی تھیں ان کی جگہ وہ یقیناً رائے (قیاس/اجتہاد) سے کام لیتے تھے۔ اور یہ ایسے ہی تھا جیسے اہل حجاز ان پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جن کے بارے میں ان کے پاس ان کے قائم کردہ معیار صحت کے مطابق احادیث موجود نہیں ہوتی تھیں۔ اس بنیاد پر رائے وقیاس کا استعمال دونوں حلقوں میں موجود تھا، البتہ عراق کی تمدنی وثقافتی زندگی میں پیش آمدہ مسائل (حوادث ومستجدات) کی کثرت انہیں رائے/اجتہاد کی کثرت پر مجبور کرتی تھی (اور یہی چیز انہیں فقہ تقدیری کے رجحان تک بھی لے گئی) جس کی وجہ سے وہ معاصر علمی حلقوں میں اہل الرائے کے لقب سے معروف ہوئے، جبکہ حجاز کی سادہ زندگی میں یہ صورت حال پیدا نہ ہوئی اور نہ ہی رائے کا استعمال کثرت سے ہوا۔ اس لیے عراقیوں کی نسبت انہیں اہل الاثر/اہل الحدیث کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تفصیل کے لیے معاصر عرب محققین کی کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، مثلاً: ڈاکٹر ابوبکر اسماعیل محمد میقا کی الرأی وأثرہ فی مدرسۃ المدینۃ، (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۱۹۸۵)، ڈاکٹر محمد بلتاجی کی مناہج التشریع الاسلامی فی القرن الثانی الھجری، (جامعۃ الامام محمد بن سعود، الریاض، ط ۱۹۷۷)، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی تاریخ الفقہ الاسلامی، (دار المعرفۃ، قاہرہ، ط دوم)، اور عبدالمجید محمود کی الاتجاہات الفقہیۃ عند اصحاب الحدیث فی القرن الثالث الھجری، (مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ط ۱۹۷۹) اور

ابوزھرۃ کی ائمہ سے متعلقہ کتب۔

۴۔ دیکھیے : ابو یوسف، کتاب الآ ثار، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، س،ن۔

۵۔ ابو یوسف، کتاب الآ ثار، ص ۲۴۳۔

۶۔ یہ جالیہ، کی جمع ہے۔ اصلاً اس کے معنی گروہ کے ہیں۔ جن ذمیوں کو حضرت عمرؓ نے جزیرۃ العرب سے جلاوطن کیا تھا ان کو اسی مناسبت سے جالیہ کہا جانے لگا۔ پھر یہ لفظ اس جزیہ کے لیے بولا جانے لگا جو ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہر طرح کے جزیہ کو یہی نام دے دیا گیا، خواہ جزیہ دینے والا کبھی بھی جلا وطن نہ کیا گیا ہو۔ دیکھیے : صدیقی، نجات اللہ، اردو ترجمہ : کتاب الخراج، کراچی : ادارہ دانش وحکمت، س ن، ص ۱۴۔

۷۔ یہاں امام ابو یوسفؒ نے اختصار کے ساتھ صرف اس مرکزی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خلیفہ مجھ سے کیا معلومات لینا چاہتے ہیں اور غیر ڈ لک، کہہ کر باقی چیزوں کی وضاحت نہیں کی، البتہ کتاب کے ان مختلف مقامات پر جہاں ابو یوسفؒ کسی ایک مسئلہ کے اختتام کے بعد کسی دوسرے مسئلے کا آغاز کرتے ہیں، وہاں وہ خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے ان مختلف امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں خلیفہ نے ان سے معلومات مہیا کرنے کی فرمائش کی تھی۔

۸۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، القاھرۃ : المطبعۃ السلفیۃ، طبع سوم، ھ، ص ۳۔

۹۔ ابوزہرہ، ابوحنیفہ، ص ۱۹۷۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔

۱۱۔ جہاں تک امام ابو یوسفؒ کی تصنیف کے عدم مربوط ہونے کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک اور کمی یہ نظر آتی ہے کہ اس میں تاریخی وارتقائی نقطہ نظر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہؒ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں: اسلامی مالیات پر ہمارے فقہاء نے نہایت قدیم زمانے سے ہی بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، یحییٰ ابن آدم القرشی کی کتاب الخراج، ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال، اور اسی طرح کی اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ کئی ایک چھپ بھی چکی ہیں۔ میں ان ساری کتابوں کے مولفوں کا پورا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کروں گا کہ ان میں ایک کوتاہی نظر آتی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے تاریخی نقطہ نظر کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یعنی یہ کبھی نہیں بتایا کہ عہد نبوت میں مالیات کے متعلق ابتدائی صورت یا ہجرت سے پہلے مکہ میں کیا صورت تھی، مدینہ آنے کے بعد ابتداءً کیا تھی، رفتہ رفتہ کیا تبدیلی ہوئی اور بالآخر اس نے کیا صورت اختیار کی؟ ان باتوں کا وہ کہیں ذکر نہیں کرتے،،۔ (حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ط ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۹)۔

۱۲۔ ان مندرجات کی تفصیل کے لیے دیکھیے : مبشر حسین، " کتاب الخراج ایک تعارفی مطالعہ "، مقالہ در : فکر ونظر، ج ۴۵، ش ۱، (جولائی۔ستمبر ۲۰۰۷ء)، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۳۔ مثلاً دیکھیے : ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ص ۸۲، ۹۲، ۴۱، ۸۵، ۱۷، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۵۔

۱۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : مبشر حسین، کتاب الخراج ایک تعارفی مطالعہ، محولہ بالہ۔

۱۵۔ دیکھیے : ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ص ۶۴، ۸۴، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۱، ۳ وغیرہ۔

۱۶۔ ایضاً : ص ۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۷ وغیرہ۔

۱۷۔ استاد سے اختلاف کی مثالوں کے لیے دیکھیے : ایضاً : ص ۸، ۱۸، ۵۲، ۵۳، ۶۴، ۷۷، ۸۷ وغیرہ۔ نیز استاد کی رائے کو ترجیح دینے سے متعلقہ مثالوں کے لیے دیکھیے : ص ۱۳۲، ۱۶۰ وغیرہ۔

۱۸۔ بعض اہل علم کی تحقیق اس مسئلہ میں مختلف ہے، مثلاً منور حسین چیمہ صاحب کے بقول : اس میں نبی کریم ﷺ کے تقریباً ۱۵۸، ارشادات اور صحابہ وتابعین کے ۱۳۳۶ اقوال بیان ہوئے ہیں،،۔ دیکھیے : چیمہ، منور حسین، : خراج کی تاریخ اور اس موضوع پر تصانیف کا ایک تحقیقی وتقابلی جائزہ''، مقالہ در منہاج، ج ۱۵، ش ۴، (اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۷ء)، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور۔

۱۹۔ سیر، سیرۃ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ موضوع ہے جس میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیتوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ مثلاً حربی غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت، معاہدین سے تعلقات کی نوعیت، اہل ذمہ سے تعلقات کی نوعیت، مرتدین

سے تعلقات کی نوعیت، باغیوں سے تعلقات کی نوعیت، وغیرہ۔ دیکھیے : سرخسی، المبسوط ۲/۱۰۔

۲۰۔ امام اوزاعی کی کنیت ابوعمرو، نام عبدالرحمٰن اور والد کا نام عمرو تھا۔ آپ فقہ وحدیث کے کبار ائمہ میں سے تھے۔ زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد (م ۱۳۹۶ھ) الاعلام دار العلم للملایین (مکتبۃ دار العلم)، بیروت، طبع ثانی ۱۹۸۰، ۳۲۰/۳۔

۲۱۔ دیکھیے : ابویوسفؒ، یعقوب بن ابراہیم، الرد علی سیر الاوزاعی، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ، ص ۲، ۴۔

۲۲۔ اس سلسلہ کی مثالوں کے لیے دیکھیے : ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، ص ۹۷، ۹۹، ۱۰۵۔

۲۳۔ دیکھیے : ایضاً، ص ۱۹، ۹۴۔

۲۴۔ دیکھیے : ایضاً، ص ۱۱۱۔

۲۵۔ ابو یوسفؒ، الرد علی سیر الاوزاعی، ص ۹۹۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۱۔ اس سلسلہ میں مزید مثالوں کے لیے دیکھیے : ایضاً، ص ۱۱، ۲۴، ۳۷، ۴۷، ۵۵، ۷۲۔

۲۷۔ زرکلی، ج ۶، ص ۱۸۹۔

۲۸۔ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار الفکر بیروت، ط اول ۲۰۰۰ء، ۲۳۲/۳۰۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ ابو یوسفؒ، یعقوب بن ابراہیم، اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ، مصر : مطبعۃ الوفاء، طبع ۱۳۵۷ھ/ ہند لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ، طبع ۱۳۵۷ھ، ص ۲۲۷۔

۳۳۔ مثلاً دیکھیے : ابو یوسفؒ، اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ، ص ۱۰، ۱۳، ۱۷، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۳۴، ۴۲، ۴۶، ۵۲، ۵۷، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۶، ۷۸، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۲۱، ۲۱۵، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۰۔ مقالہ نگار نے اس کتاب کے بغور مطالعہ کے بعد مذکورہ صفحات کی نشاندہی کی ہے کہ جہاں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کا متن میں دعویٰ کیا گیا ہے۔

۳۴۔ یہ کتاب امام محمد نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی تھی، اس لیے ان پانچ میں سے تین مسائل کو تو امام محمدؒ نے اسی کتاب میں ذکر کر دیا ہے، دیکھیے : ابو یوسفؒ، اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ، ص ۱۵۲، ۱۵۷، ۲۲۰۔ البتہ دو مسئلوں میں آپ کے رجوع کی وضاحت کتاب کے محقق (ابوالوفاء افغانیؒ) نے حاشیہ میں حوالہ کے ساتھ بیان کر دی ہے، دیکھیے : ایضاً، ص ۱۴، ۸۴۔

۳۵۔ ابو یوسفؒ، اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ، ص ۹، ۱۱، ۱۹، ۲۰، ۲۸، ۲۶، ۵۰، ۵۱۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۴۵، ۱۱۵ تا ۱۱۹۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۵، ۱۷، ۵۲، ۶۳، ۲۱۵۔

۳۸۔ راقم نے اپنی تحقیق کی بنیاد اسی نسخہ پر رکھی ہے اس لیے کہ دوسرا اور مکمل نسخہ اس وقت تک دستیاب نہ ہو سکا تھا۔

۳۹۔ تقریباً کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ بعض جگہ یہ اسلوب موجود نہیں، مثلاً تیسری جلد میں سوال و جواب کا انداز کم ہے بلکہ شروع سے ص ۴۰۶ تک سوال و جواب کا انداز موجود نہیں۔ پھر صفحہ ۴۰۶ سے ۵۲۶ (یعنی آخر) تک سوال و جواب کا اسلوب موجود ہے۔

۴۰۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ بعنوان : امام شیبانیؒ کا استنباط احکام کے لیے حدیث سے استدلال : کتاب الاصل کی روشنی میں ایک تنقیدی مطالعہ، (مطبوعہ در: فکر ونظر، (جولائی۔ ستمبر ۲۰۰۹ء) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)۔ راقم نے بوینوکالن کا نسخہ دستیاب ہونے سے پہلے ناقص نسخہ کے مطالعہ کی بنیاد پر کی گئی تحقیق کی روشنی میں یہ رائے قائم کی تھی مگر بعد میں بوینوکالن کا نسخہ دستیاب ہونے کے بعد اس کا مقدمہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ مؤلف کی تحقیق کے مطابق اس میں کل ایک ہزار چھ سو بتیس احادیث و آثار پائے جاتے ہیں جن میں تکرار بھی ہے مگر بقول محقق نہایت کم۔ (دیکھیے : بوینوکالن، الاصل، (مقدمہ)، وزارت اوقاف، قطر، ص ۱۹۷)، لیکن محقق نے احادیث و آثار کی حد بندی نہیں کی۔

۴۱۔ یہ وہ تعداد ہے جو راقم نے اپنے مطالعہ کی روشنی میں ذکر کی ہے، اب اگر کوئی محقق بو ینو کالن کے نسخہ کو بنیاد بنا کر مزید تحقیق کرے تو وہ مرفوع اور موقوف کی علیحدہ تعداد متعین کر سکتا ہے۔

۴۲۔ یہ شمار الرحیم اکیڈمی (کراچی) کے طبع کے مطابق ہے۔

۴۳۔ مطبعة المعارف الشرقية، مچھتہ بازار، حیدر آباد دکن، ۱۹۶۵ء۔

۴۴۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کی جلد دوم میں ۷۵، احادیث اور ۱۵۱ آثار ہیں، جب کہ جلد سوم ۳۷ میں، احادیث اور ۵۷ آثار ہیں اور جلد چہارم میں ۲۴، احادیث اور ۶۴ آثار ہیں۔ پہلی جلد کی احادیث و آثار بھی راقم نے شمار کیے تھے مگر سوئے اتفاق کہ وہ نوٹس کہیں گم ہو گئے ہیں۔ یہ وہ تعداد ہے جس سے کوئی فقہاء نے استدلال کیا ہے جبکہ حجازی ذخیرہ حدیث کو یہاں شمار نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں ان میں ایک سو سے زائد وہ احادیث ہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی گئی ہیں۔

۴۵۔ واضح رہے کہ الجامع الصغیر کے فقہی مسائل ابو یوسف از ابوحنیفہ کی سند سے روایت کیے گئے ہیں اسی لیے اسے الجامع الصغیر کہا جاتا ہے جب کہ الجامع الکبیر کو امام محمد نے امام ابو یوسف کی سند کے بغیر خود مستقل طور پر تالیف کیا ہے، اس لیے اسے الجامع الکبیر کہا جاتا ہے۔

۴۶۔ یہ نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد سے شائع شدہ ہے۔

۴۷۔ بعض جگہ اپنے شیخ سے فقہی اختلاف بھی کیا ہے مثلاً دیکھیے: بذیل حدیث/اثر نمبر ۱۳۵، ۱۷۰، ۲۹۴، ۳۲۵، ۳۳۷، ۴۰۳، ۴۹۵، ۵۰۲، ۵۳۰، ۵۶۶، ۶۲۸، ۷۲۲، ۷۸۲، ۷۹۲، ۸۳۲، ۸۴۰۔ (الموطا (بروایت امام محمد)، بتحقیق: استاد عبدالوھاب عبداللطیف، المکتبة العلمية، بیروت)

۴۸۔ امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ) کی مؤطا میں امام زرقانی (شارح مؤطاً) کے شمار کے مطابق کل ۱۹۵۵ روایات ہیں جن میں مرفوع روایات: ۷۲۰ ہیں اور ۶۱۳ روایات موقوف (آثار صحابہ) ہیں اور باقی روایات مقطوع (آثار تابعین) ہیں۔

۴۹۔ اس لیے کہ عراقی اہل علم تو حج و عمرہ کے لیے بھی اکثر حجاز کا سفر کرتے رہتے، نیز حجازی صحابہ سے حدیث کا علم حاصل کرنے کا شوق بھی انہیں حجاز جانے پر مجبور کرتا، لیکن حجازی اہل علم کو عراق جانے کا اول تو اتفاق ہی کم ہوتا اور دوسرا مانع یہ بھی تھا کہ وہ بالعموم یہ سمجھتے تھے کہ صحابہ کی اکثریت حجاز میں رہی ہے اور دین کا مأخذ حجاز ہی ہے، اسی لیے امام مالک عمل اہل مدینہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور آپ نے اپنی مؤطاً میں بھی مدینہ سے باہر کے راویوں (ماسوائے چار راویوں) کی روایات کو عدم اطمینان کی وجہ سے جگہ نہیں دی۔ اسی طرح حجاز سے باہر آباد ہو جانے والے صحابہ بالخصوص ابن مسعود، حضرت علی وغیرہ کی روایات بھی مؤطا میں نہایت قلیل ہیں۔